انتقاد

(انتقاد کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہے)

یعنی مقالاتِ الاسلامیین۔ تصنیف علامہ ابوالحسن اشعری۔

مسلمانوں کے عقائد و افکار۔ ترجمہ مولانا محمد حنیف ندوی۔ حصہ اوّل۔ ناشر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور۔

گزشتہ صدیوں میں اہل السنت والجماعت کے ہاں جیسے یہ ضروری تھا کہ اُن میں کا ہر شخص فقہ کے چار مذاہب میں سے کسی نہ کسی فقہ سے اپنا انتساب رکھے، ویسے ہی یہ بھی ضروری سمجھا جاتا تھا کہ وہ کلام کے دو مسالک یعنی اشعریہ اور ماتریدیہ میں سے کسی ایک سے متعلق ہو۔ کلام کا یہ مذہب اشعریہ امام ابوالحسن اشعری کی طرف منسوب ہے، وہ بصرہ میں ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۵ھ کے لگ بھگ بغداد میں اُنہوں نے انتقال فرمایا۔

پیشِ نظر کتاب انہی امام اشعری کی عربی تصنیف "مقالاتِ الاسلامیین" کا اُردو ترجمہ ہے۔

مترجم جناب مولانا محمد حنیف ندوی نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ امام اشعری کے مفصل حالاتِ زندگی بہت کم ملتے ہیں، لیکن ایک واقعہ جس سے اُن کی زندگی کا بالکل ایک نیا دَور جو اُن کی زندگی کے پہلے دَور سے بالکل مختلف تھا، شروع ہوتا ہے، بڑا مشہور ہے۔ چالیس برس کی عمر تک امام موصوف معتزلہ کے مکتبِ فکر سے متعلق رہے، اور ظاہر ہے اعتزال کی تائید میں اُنہوں نے بہت کچھ لکھا بھی۔ لیکن ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ وہ بصرہ کی جامع مسجد کے منبر پہ کھڑے ہو کر یہ اعلان کر رہے ہیں:۔

"لوگو! تم میں سے جو شخص مجھے جانتا ہے، وہ تو جانتا ہی ہے۔ جو نہیں جانتا، اس کے تعارف کے لئے میں کہتا ہوں کہ میں فلاں ابنِ فلاں ہوں۔ میں اس سے پہلے اس بات کا قائل تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔

میں یہ بھی کہتا تھا کہ حضرت حق کا دیدار ان آنکھوں سے ممکن نہیں۔ میرا یہ بھی عقیدہ تھا کہ اعمال کا میں خود خالق ہوں۔ آج اِن سب باتوں سے میں توبہ کرتا ہوں۔ یہی نہیں، مجھے معتزلہ کے ان مسائل پر کھل کر بحث کرنا ہے۔ اور اُن کے بودے پن کو منظرِ عام پر لانا ہے۔

"لوگو! میں اتنا عرصہ تمہاری نظروں سے اوجھل رہا۔ اس اثنا میں میں مخالف موافق دلائل کو تولتا اور دیکھتا بھالتا رہا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عقل کی رُو سے یہ سب برابر سرابر ہیں۔ اور ان میں یہ صلاحیت ہرگز نہیں کہ میرے دل کی خلش کو دُور کر سکیں۔ اس پر میں نے اللہ سے رہنمائی چاہی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے ھدایت سے نوازا اور ایسے اعتقاد کی طرف رہنمائی کی، جس کی تفصیلات میری کتابوں میں درج ہیں۔ میں آج اعتزال سے اسی طرح دست کش ہوتا ہوں جس طرح کہ اپنے اس لبادے سے۔"

اس اعلان کے بعد اُنہوں نے اپنی عبا جو پہن رکھی تھی، واقعی اُتار دی اور اس طرح معتزلہ کی عقلیت پرستی سے تائب ہو کر اُس کی مخالفت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

اگرچہ اس واقعہ کی ایک انفرادی حیثیت ہے، لیکن اس نے درحقیقت اسلامی فکری تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔ اور اس کی وجہ سے معتزلہ کی عقلیت پرستی کی جارحیت کے خلاف ایک ایسا ردِ عمل ہوا کہ جہاں تک اہل السنت والجماعت کا تعلق ہے، ان کے ہاں عقلیت پرستی بتدریج مذموم بنتی گئی، ممکن ہے اس کے اور بھی اسباب ہوں، لیکن امام اشعری نے عقلیت کے خلاف اس ردِ عمل کی قیادت کی۔ چناں چہ معتزلہ کا زور اُن کی بدولت ٹوٹا اور وہ خلاف عقلیت پرستی تحریک کے سب سے بڑے مظہر بن گئے۔

دورِ حاضر کے "جدید معتزلہ" اور بالخصوص مستشرقین نے امام اشعری کے اس تاریخی کردار پر بڑی سخت تنقیدیں کی ہیں۔ سید امیر علی اپنی کتاب "شارٹ ہسٹری آف سارا سنز" میں ایک مستشرق کا یہ اقتباس نقل کرتے ہیں: "اگر اشعری اور غزالی نہ ہوتے تو عرب قوم میں گلیلیو، کیپلروں اور نیوٹنوں کا پیدا ہونا عین ممکن تھا۔" اسی ضمن میں مولانا حنیف لکھتے ہیں: "براؤن نے اُن کے مدرسۂ فکر کو ہلاکو اور چنگیز کی تباہیوں کے مترادف قرار دیا۔ رینان بھی اُن سے خوش نہیں۔ سارتن نے بھی اُن کے مدرسۂ فکر کو رجعت پسندانہ ٹھہرایا اور الزام عائد کیا ہے کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بشریاتی (ANTHROPOLOGICAL) تصور قائم کر کے آزاد فلسفیانہ ارتقاء کی راہ میں مشکلات پیدا کی ہیں۔"

فاضل مترجم نے امام اشعری اور اشعریت پر ان عائد کردہ الزامات کا جواب دیا ہے۔ موصوف کا

کہنا یہ ہے کہ دین میں نقل کو عقل پر فوقیت دی جانی چاہیئے۔ معتزلہ کی غلطی یہ تھی کہ اُنھوں نے نقل پر عقل کو فوقیت دی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب تک کسی نقل کو عقل کی کسوٹی پر نہ پرکھا جائے، اُسے کیسے قبول کیا جاسکتا ہے۔ بے شک عقل کی کسوٹی کی نوعیت پر اعتراض ہو سکتا ہے، لیکن اس کے بغیر نقل کو محض اس لئے مان لینا کہ وہ پہلوؤں سے منقول ہے، ذہن و فکر کو لازماً جامد بنائے گا اور اُس سے وہی نتائج نکلیں گے جو آگے چل کر اشعریت سے نکلے۔

اِسی بحث میں مولانا حنیف ایک جگہ لکھتے ہیں: "..... عقل و ادراک اور مذہب و دین کا مصدر و منبع ایک ہی دانا و بینا ذات تو ہے۔ یعنی جس ذات گرامی نے انسانی ھدایت کے لئے انبیاء کو بھیجا اور مبعوث فرمایا ہے، اُسی ذات اقدس نے عقل و ادراک کے تقاضوں کی پرورش کا اہتمام بھی کیا ہے ....." اگر یہ بات ہے اور واقعی یہی ہے تو پھر عقل و ادراک کے خلاف تعصب کیوں؟۔ اشاعرہ کے نزدیک جیسا کہ مولانا شبلی نے لکھا ہے، "کوئی شئے کسی کی علت نہیں۔ نہ اشیاء میں خواص و تاثیر ہے"۔ نیز اشاعرہ ماتریدیہ کے برخلاف اشیاء کے حسن و قبح عقلی کے بھی خلاف ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے مسائل ہیں، جو واضح طور پر عقل و ادراک کے خلاف جاتے ہیں اور اشاعرہ اُن کے معتقد رہے ہیں۔ مولانا شبلی نے اسی پر لکھا ہے: "..... اشاعرہ کا مذہب عوام کے طبائع کے اس قدر موافق واقع ہوا تھا کہ امام غزالی وغیرہ نے جو کچھ اُن کے موافق کہا، وہ آج ایک ایک بچہ کے دل میں اور زبان پر ہے، اور جو کچھ اُن کی خاص رائیں تھیں، وہ اس شور و ہنگامہ میں لوگوں کو سنائی بھی نہ دیں"، چناں چہ اس بنا پر فاضل مترجم کی یہ دلیل کہ جب اشاعرہ میں باقلانی اور غزالی ایسے یگانہ روزگار اہل دانش پیدا ہوئے، تو اُن پر رجعت پسندی کا الزام صحیح نہیں بیٹھتا، کچھ زیادہ قائل نہیں کرتی۔ کیونکہ ان بزرگوں کو بھی عام اشاعرہ کی عقل دشمنی سے ڈر کر دو زبانیں بولنی پڑیں۔ ایک عوام کے لئے جن پر اشعریت کا رنگ غالب تھا۔ دوسری خواص کے لئے۔

فاضل مترجم نے اس موضوع پر اپنے مقدمہ میں جو کچھ لکھا ہے، اُسے اُن کی انشا پردازی نے اتنا مبہم بنا دیا ہے کہ اُن کا اصل مقصود واضح نہیں ہوتا۔ واقعہ یہ ہے کہ معتزلہ کی جارحانہ عقلیت پرستی کے خلاف اشعریت کی صورت میں عقلیت پر بے اعتمادی کا جو ردِ عمل ہوا، اِس میں بھی اعتدال و میانہ روی کی ویسی ہی کمی تھی، جیسے اوّل الذکر میں۔ اس سے ہماری پوری فکری تاریخ متاثر ہوئی۔ اور

اس کی وجہ سے ہمارے ہاں فلسفہ و حکمت سے دینی بَیر پیدا ہوگیا۔

کتاب کا موضوع امام اشعری کے الفاظ میں یہ ہے: "جو شخص مسلمانوں کے مدارسِ فکر سے واقف ہونا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ ان میں فرق و امتیاز کے جو حدود ہیں، اُن کو پہچانے، اس کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ان کے مذہب و عقیدہ سے آشنا ہو..... اس صورتِ حال نے مجھے آمادہ کیا کہ میں مذاہب و افکار کی شرح ..... لکھوں۔"

سب سے پہلے مسلمانوں میں آں حضرت صلعم کے انتقال کے فوراً بعد مسئلہ امامت کے بارے میں جو اختلاف ہُوا، اُس کا سرسری ذکر ہے۔ بعد میں یہ اور دوسرے اختلافات جن فرقوں کی شکل میں ظاہر ہوئے، اُنہیں بیان کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے شیعہ کا ذکر ہے۔ اور مصنف کے عہد تک اُن کے جو بھی گروہ اور مکاتبِ خیال پیدا ہو چکے تھے، اُنہیں بیان کیا گیا ہے۔ جو صفحہ ۹ سے شروع ہو کر ۹۰ پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد خوارج آتے ہیں، اور ان کے تمام گروہوں کا ذکر ہے۔

خوارج میں معمولی معمولی مسئلے پر جس طرح ایک جماعت میں پھوٹ پڑ جاتی اور اس کا ایک گروہ ناراض ہو کر اپنا الگ امیر چُن لیتا۔ پھر اُس گروہ میں اختلاف ہوتا اور وہ دھڑوں میں بٹ جاتا اور اس طرح یہ سلسلہ اور آگے چلتا، مصنف نے کافی تفصیل سے اسے بیان کیا ہے۔ خوارج کے چند بنیادی معتقدات کا ذکر کتاب میں یُوں مذکور ہے۔ "توحید کے مسائل میں خوارج کی وہی روش ہے، جو معتزلہ کی ہے۔ خلق قرآن کے مسئلہ میں خوارج سب کے سب معتزلہ کے ہم نوا ہیں۔ الاباضیہ نے البتہ توحید میں ارادہ الٰہی سے متعلق معتزلہ سے مختلف رائے اختیار کی ہے۔ معتزلہ اور خوارج ..... کا کہنا ہے کہ کبائر (بڑے بڑے گناہوں) کے مرتکبین ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔ بشرطیکہ اُن کی موت کبائر پر ہوئی ہو۔ ان دونوں میں اس معاملہ میں فرق یہ ہے کہ خوارج تو یہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ اس عذاب سے دوچار ہوگا، جس سے کفّار دوچار ہوئے ہیں، اور معتزلہ کا کہنا ہے کہ دونوں میں عذاب کی نوعیت مختلف ہے۔"

فرقۂ خوارج کی ابتدا، دراصل حضرت علیؓ کے اس اقدام کے خلاف احتجاج کے طور پر ہوئی تھی کہ اُنھوں نے جنگِ صفین میں بقول خوارج کے غیر اللہ کو کیوں حَکم تسلیم کیا۔ چناں چہ خوارج کی پہلی جنگ حضرت علیؓ سے ہوئی۔ بعد میں وہ برابر اُموی حکمرانوں کے خلاف بھی معرکہ آرا رہے، اسی

طرح اُنہوں نے عباسیوں سے بھی خاص کر اُن کے دورِ اوّل میں جنگیں جاری رکھیں، یہاں تک کہ اُن کا زور ٹوٹ گیا۔ اس بارے میں مصنف خوارج کا مسلک یُوں بیان کرتے ہیں:۔

"مخالفین کے حق میں سیف وقتال کو تمام خوارج جائز سمجھتے ہیں سوائے الاباضیہ کے، اُن کا یہ مسلک ہے کہ لوگوں کو تلوار کے زور سے کسی عقیدہ پر مجبور نہیں کرنا چاہیئے۔ ہاں ائمہ جور کی اصلاح البتہ ضروری ہے۔ اگر تلوار اُٹھانے پر قدرت ہو تو تلوار اُٹھانا چاہیئے۔ ورنہ دوسرے ذرائع استعمال کئے جائیں"۔

یاد رہے کہ خوارج کے اسی فرقۂ الاباضیہ کی فقہ کو اُن آٹھ مذاہبِ فقہ میں شامل کیا گیا ہے جنہیں حال ہی میں فقہ اسلامی کے انسائیکلو پیڈیا کی تدوین میں مصر والوں نے اساس بنایا ہے۔

اس ضمن میں مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ خوارج عذابِ قبر کے قائل نہیں۔

خوارج کے عقائد کے بعد "مرجئہ کے عقائد" کا باب ہے، جن کا نقطۂ مرکزی یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق ہے۔ اور اعمال اس میں داخل نہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ مصنف نے امام ابوحنیفہؒ کو بھی مرجئہ کے زمرے میں شامل کیا ہے۔ اس کے بعد بڑی تفصیل سے معتزلہ کے عقائد کا ذکر ہے۔ یہ زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور اسماء کے متعلق ہیں۔ اس لئے سب کے سب نظری ہیں۔ اور ان میں قیاس آرائی سے بڑا کام لیا گیا ہے۔

مصنف نے یہ پانچ اُصول بتائے ہیں، جن پر اعتزال کی بنیاد ہے:۔ توحید۔ عدل۔ منزلۃ بین منزلتیں (یعنی کفر و ایمان میں بین بین کی راہ)۔ اثبات وعید (یعنی کبائر کے مرتکب لوگوں کے بارے میں وعید)۔ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ مزید فرماتے ہیں "اصم کے سوا تمام معتزلہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ امر بالمعروف، (نیکی کی تلقین) اور نہی عن المنکر (برائی سے روکنا) ہر مسلمان پر بشرط امکان و استطاعت فرض ہے، زبان کے ساتھ بھی اور ہاتھ اور تلوار کے ساتھ بھی، جس طرح بھی ممکن ہو"۔

ایک باب میں "اصحاب حدیث یا اہل السنۃ کے عقائد" بیان کئے گئے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ یہ سب اُمور ہمارے عقیدے کا جزو بھی ہیں۔ یہی کچھ ہم کہتے ہیں اور اسی کو مسلک و مذہب قرار دیتے ہیں۔ ان عقائد میں سے چند ایک یہ ہیں:۔

۱۔ یہ اللہ کے سوا کسی شے کو خالق تسلیم نہیں کرتے۔ اُن کے نزدیک بندوں کے گناہ بھی اللہ

کی تخلیق ہیں۔ اور اُن کے اعمال کو بھی اُسی نے پیدا کیا ہے۔

۲ ۔ اہلِ قبلہ میں یہ کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ چاہے کوئی شخص کبیرہ کا مرتکب کیوں نہ ہو۔

۳ ۔ یہ اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ کی شفاعت ہوگی۔ اور اس کا استحقاق آپؐ کی اُمت میں سے ان لوگوں کو ہوگا جنھوں نے کبائر کا ارتکاب کیا ہے۔ اُن کے نزدیک عذابِ قبر برحق ہے۔ حوضِ کوثر برحق ہے، پُل صراط برحق ہے.......

۴ ۔ یہ منکر نکیر، معراج اور رؤیا کے بھی قائل ہیں۔ اور اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ جو مسلمان مرچکے ہیں، اُن کے حق میں جو دُعا کی جائے یا صدقہ دیا جائے، اُن کو برابر پہنچتا ہے۔

۵ ۔ یہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اہلِ قبلہ میں سے جو بھی مرجائے، اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا چاہیئے۔ چاہے وہ نیک ہو۔ چاہے فاسق و فاجر ہو۔ اور یہ کہ اہل قبلہ میں وراثت کا اصُول بہر حال قائم رہے گا۔

۶ ۔ مسلمان حکمرانوں کی اصلاح کے لیئے دُعا کے قائل ہیں۔ اور اس بات کے قائل ہیں کہ ان کے خلاف قتال یا سیف نہیں ہونا چاہیئے۔ اور یہ کہ ایامِ فتنہ میں لڑائی نہیں ہونا چاہیئے۔

۷ ۔ یہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ صلحاء کو اللہ تعالےٰ خاص خوارق سے بہرہ مند کرسکتا ہے۔

کتاب کا ترجمہ بڑا صاف اور رواں ہے، آخر میں مترجم کے تعلیقات اور اشاریہ نے کتاب کی افادیت کو کافی بڑھا دیا ہے۔

"مسلمانوں کے عقائد و افکار" کی اشاعت اُردو کے اسلامی ادب میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ اور فاضل مترجم اور ناشرین دونوں ہی مبارک باد کے مستحق ہیں۔

کتاب مجلد ہے۔ ۳۷۲ صفحات۔ قیمت نو روپے۔

ملنے کا پتہ :۔

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور۔

(م۔ س)